راز و نیاز

حبیب اشعر دہلوی

تہدیہ

اپنے اِن ”جگرپاروں“ کو بکمال خلوص واحترام مخدومی و محترمی افضل الاطبا۔ فخرِ خاندانِ شریفی عالی جناب حکیم محمد ذکریا خاں صاحب شفا رئیسِ اعظم دہلی کے نامِ نامی واسمِ گرامی سے نسبت دینے کی سعادت حاصل کرتا ہوں

عقیدت کیش

حبیب اشعر

۲۷ اپریل سنہ ۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مُصنّف

" رازونیاز" کی طباعت واشاعت پر قدرتاً مجھے خوش ہونا چاہیئے کہ فی زمانہ شاعر کے لئے ، اُس کی تمام تر کوششوں اور دماغ سوزیوں کا ماحصل اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہ اُس کا مجموعۂ کلام ، اُس کی زندگی ہیں زیورِ طبع سے "آراستہ و پیراستہ" ہو کر شائقینِ ادب و شعر کے ہاتھوں ہیں پہنچ جائے۔

اس اظہارِ مسرت وشادمانی کے ساتھ ہی ساتھ اُن تنقیص پسند حضرات کا خیال بھی آتا ہے جو صرف "اعتراض کرنے کے لیۓ اعتراض کرتے ہیں" اور جن کا مطمحِ نظر نقد و تبصرہ نہیں ، بلکہ اپنی ذکاتِ طبع کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ لیکن ، بحمداللہ میں ان کوتاہ نظر طبائع کے ایرادات و اعتراضات سے خائف ہوں ، نہ مدح و تحسین سے خوش !

۵

تنقیص سے خفا نہ ستائش پسند ہوں
یہ دونوں پستیاں ہیں، میں اتنے بلند ہوں

اس خیال سے مقدّمہ بھی شامل کتاب نہیں کیا گیا کہ میرے نزدیک کسی ادیب یا شاعر سے مقدّمہ لکھنے کی استدعا کرنے کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تعلّقات کا دباؤ ڈال کر اس کو اپنی اور اپنے کلام کی بیجا تعریف و توصیف پر مجبور کیا جائے۔ میری یہ "بدعتِ حسنہ" ہر چند موجودہ روش کے سرتا سر منافی ہے لیکن میں اپنے آپ کو اس کے لئے مجبور پاتا ہوں۔

اُستادی اور شاگردی کے باب میں بھی میرا نظریہ افراط و تفریط سے بالا تر ہے یعنی میں نہ دورِ حاضر کے "روشن دماغ نوجوان" کی طرح اُستاد کے وجود کو بیکار و لایعنی تصوّر کرتا ہوں اور نہ "قدامت پرست پیرِ روشن ضمیر" کی طرح صرف ایک اُستاد پر قناعت کرنا طغرائے شرافت و وضع داری سمجھتا ہوں۔ بلکہ اکتسابِ کمال کے لئے جو شے اپنے مفید مطلب پاتا ہوں، اس کے حصول میں مطلق تامّل نہیں کرتا۔ عام اس سے کہ "وہ شمس العلما" کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کرنے سے حاصل ہو۔ یا "فَعَلَ یَفْعُلُ" کی گردان گردانے والے طالب علم سے حاصل کی جائے۔

تمتع زہر گوشۂ یافتم   زہر خرمنے خوشۂ یافتم

اس "ڈیڑھ جز کے دیوان" میں کیا کیا نقائص ہیں، یا کیا کیا خصوصیات ہیں؟ اس کا فیصلہ تو "نقّادِ فن" ہی بخوبی کر سکتا ہے۔ تاہم ایک خصوصیت جسکو قائم و برقرار رکھنے کیلئے میں نے امکان بھر کوشش کی ہے، یہ ہے کہ تخیل پست ہو یا بلند، لیکن الفاظ غیر مناسب نہ ہونے چاہئیں، اس لئے کہ مناسب الفاظ فراہم نہ ہو سکنے سے تخیل کی ساری خوبیاں اور رعنائیاں ملیا میٹ ہو جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا خصوصیت کے علاوہ، اگر اور کوئی معنوی خوبی میرے کلام میں نظر آئے۔ تو اس کو میرے "کمالِ فن" پر محمول نہ فرمائیے گا۔ بلکہ کسی "شباب سے بھرپور" ہستی کی "چشم سحر کار" کی "افسوں طرازی" کا نتیجہ خیال کیجئے گا۔ کہ میری یہ تمام "رنگینیاں" اور "نازک خیالیاں" اسی کی رہینِ منّت ہیں۔

آخر میں حضرت حکیم آزاد انصاری، حضرت مولانا سیماب اکبر آبادی، حضرت مولانا ظفر تاباں پروفیسر رامجس کالج دہلی اور حضرت حیدر دہلوی کی بزرگانہ عنایات کا بہ صمیمِ قلب شکر گذار ہوں کہ ان حضرات کے گرانقدر مشوروں نے میری "معلوماتِ شعری" میں واضح اور نمایاں اضافہ کیا ہے۔ وما توفیقی الّا باللہ +

حبیب اشعر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے نگاہِ دُور بیں یہ کیا کیا ؟ — مجھ کو وقفِ ماتمِ فردا کیا !

قسمتِ خاکی اگر دی تھی مجھے — فکر کو کیوں آسماں پیما کیا؟

ہم سزاوارِ تماشا تھے ، اگر — آپنے پھر ہم سے کیوں پردا کیا؟

اے دلِ مضطر نہ سمجھا تا تھا میں — خود ہُوا برباد میرا کیا کیا؟

دیکھ کر بدمستیٔ رنگِ جمال — آنکھ کو خوکردۂ صہبا کیا ؛

مجھ کو اے شعرؔ خدا نے دہر میں
شعر کہنے کے لئے پیدا کیا ،

اُس کے اِک بدلے ہوئے تیور نے سب کچھ کہدیا
کچھ نہ کہنے پر بھی اس کافر نے سب کچھ کہدیا

چشمِ ساقی نے چھپایا لاکھ رازِ میکدہ
دور ہیں آتے ہی اِک ساغر نے سب کچھ کہدیا

کوششِ ضبطِ محبّت رائیگاں ثابت ہوئی
اُس بھری محفل میں چشمِ تر نے سب کچھ کہدیا

خانہ ویرانی کا میری آگیا اُن کو یقیں
مَیں رہا خاموش، میرے گھر نے سب کچھ کہدیا

عمر بھر دل میں رکھا محفوظ ہم نے رازِ عشق
اور اس ظالم دلِ مضطر نے سب کچھ کہدیا

اک نگاہِ واپسیں تھی ترجمانِ حالِ دل
تم نے سب کچھ سُن لیا اشعرؔ نے سب کچھ کہدیا

روح فرسا کوئی نالہ دلِ ناشاد کریں
آ تجھے آج غمِ عشق سے آزاد کریں

محوِ ہنگامہ رہیں، روئیں کہ فریاد کریں
کس طرح تم سے بیاں عشق کی رُوداد کریں

ظلم پر ظلم وہ بیداد پہ بے داد کریں
ہم مسلماں نہیں کافر ہیں جو فریاد کریں

کیا یہی شانِ تغافل یہی انداز رہے　　ہم اگر پوری توجہ سے تمہیں یاد کریں؟
مطمئن خدشۂ محشر سے ہوئی خوگرِ غم　　شکوہ کس منہ سے ترا اے ستم ایجاد کریں؟
شدّتِ درد سے فرصت نہ لہو رونے سے　　کہیئے اب دل کو سنبھالیں کہ اُنہیں یاد کریں؟
دل جب آفات والم میں بھی ہے خندہ بلب　　پھر کس اُمید پر آمادۂ فریاد کریں؟
شوقِ نظّارہ بھی ہے دید کی ہمت بھی نہیں　　شاد کس طرح تجھے اے دلِ ناشاد کریں؟
بندوبست تخمینِ ناز کا برہم ہو جائے　　ہم اگر اب بھی جگر تھام کے فریاد کریں

اپنی ہستی تو کجا راہِ طلب میں اشعرؔ
خضر کی عمر بھی ہاتھ آئے تو برباد کریں

پھر تبسم ریز، یارِ گلعذار آ ہی گیا　　پھول برساتا ہوا جانِ بہار آ ہی گیا
جب کبھی رند آگئے سوئے چمن بادہ بجام　　ہر طرف سے جھوم کر ابرِ بہار آ ہی گیا
ڈوبنا تاروں کا مُرجھانا گلوں کا ہائے ہائے　　بے ثباتی پر اب اپنی اعتبار آ ہی گیا
وقتِ زینت آئینہ دیکھا کئے، چوما کئے　　اپنی پیاری شکل پر اُنکو بھی پیار آ ہی گیا
اہلِ دل جلووں میں اُنکے آج اشعرؔ کھو گئے　　بیقرارانِ ازل کو بھی قرار آ ہی گیا

وہاں دلبری ہے نہ دلداریاں ہیں — قیامت کی درپیش دشواریاں ہیں
نہ وہ خوابِ راحت، نہ سرشاریاں ہیں — اِن آنکھوں کو تفویض بیداریاں ہیں
بہ ظاہر جو دلچسپ دل داریاں ہیں — بہ عنوانِ دیگر ستم گاریاں ہیں
کرم میں کہاں لذّتِ بے قراری؟ — دل آزاریاں پھر دل آزاریاں ہیں
شبِ غم نہیں، یہ ستارے فلک پہ — مری آہِ سوزاں کی چنگاریاں ہیں
تری جلوہ فرمائیاں اللہ اللہ — جدھر دیکھتا ہوں، ضیا باریاں ہیں
نہیں ہے تو فکرِ دل و دیں نہیں ہے — اگر ہیں تو تیری طلب گاریاں ہیں
ادھر ہم کہ ایک ایک ادا پر تصدّق — اُدھر وہ کہ بے وجہ بیزاریاں ہیں
کہاں میرا دامن، کہاں اشکِ خونیں — مگر یہ محبّت کی گُل کاریاں ہیں
تری یاد دل میں، ترا نام لب پر — جنوں میں بھی اس درجہ ہشیاریاں ہیں
نہ فکرِ نظارہ، نہ وقتِ نظارہ — بس اب جان دینے کی تیاریاں ہیں
محبّت کا مفہوم اگر دل نشیں ہے — جفاکاریاں عین دل داریاں ہیں
مری لغزشوں سے حقائق مرتّب — یہ بدمستیاں کیا ہیں، ہشیاریاں ہیں
ادھر رحمتِ حق ہے بیتابِ بخشش — ادھر میں ہوں، میری گنہگاریاں ہیں

نہیں حرصِ جاہ و حشم مجھ کو اشعرؔ
بہت قیمتی میری خودداریاں ہیں

میں تصور میں جب اُس کافر سے ہم آغوش تھا
وائے ناکامی! وہی وقتِ وداعِ ہوش تھا

روبرو جلوے تھے ان کے اور میں بے ہوش تھا
یہ بھی حُسنِ اتفاق اے خاطرِ غم کوش تھا

اے جزاک اللہ! پچھلی شب نزاد کرِ جمیلؔ
کائناتِ دل کا ہر ذرّہ سکوں آغوش تھا

شامِ وعدہ جوشِ غم اور فرطِ حسرت، الاماں
کتنے ہنگامے تھے برپا، اور میں خاموش تھا

غائبانہ اُس کو دیکھا ہو تو دیکھا ہو، کہیں
اب بھی وہ روپوش ہے، پہلے بھی وہ رُوپوش تھا

صبح کو عبرت سے دیکھا یہ مآلِ سوز و ساز

سینکڑوں پروانے تھے، اک شمع کا آغوش تھا

حیرتیں اُس آئینہ رخسار کی کام آ گئیں
ورنہ حدِ ضبط سے باہر جنوں میں جوش تھا

آج اُن کی ٹھوکروں نے عرش پر پہنچا دیا
سر کی قیمت کچھ نہ تھی جب تک وبالِ دوش تھا

وقتِ نظّارہ تمنّا دل کی دل میں رہ گئی
آنکھ اُٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ رخصت ہوش تھا

شامِ وعدہ عقل گم تھی اور رمیدہ تھے حواس
اک غزالی آنکھ والا زینتِ آغوش تھا

جلوہ گہ میں پہلے اے اشعرؔ وہی خیرہ ہوئے
جن کو نظّارہ کا دعوےٰ بر بنائے ہوش تھا

رہے سرگشتہ مقدر کی طرح — پاؤں چکّر میں رہا سر کی طرح
دستِ رنگیں میں دلِ خوں گشتہ — نہ چھپا بوئے گلِ تر کی طرح

برق تڑپی بھی تو کیا تڑپے گی؟ وہ بھی میرے دلِ مضطر کی طرح
دشت پیمائی کا نشہ، توبہ میں بھی گردش میں ہوں ساغر کی طرح
کس نظر سے مجھے دیکھا تم نے؟ ہنس پڑے زخم، گلِ تر کی طرح
آنکھ میں آئے ہیں نشتر بن کر دل میں اُترے ہیں وہ خنجر کی طرح
دشت میں ہے یہی پیغامِ غبار مِل کے بیٹھو نہ یہاں گھر کی طرح

صاف و رنگین و دلآویز اشعار
کیا کہے گا کوئی اشعرؔ کی طرح

نہ ہو مسرت میں غم کا پہلو، تو زندگی کا مزا نہیں ہے
میں اس کو دل ہی نہیں سمجھتا، جو درد سے آشنا نہیں ہے

تم اتنے مصروفِ آئینہ ہو، تمہیں تو یہ بھی پتا نہیں ہے
جو دل میں پیوست ہو گئی ہے، وہ نیشتر ہے، ادا نہیں ہے

جو قطع ہو جائے رنج و غم سے، وفا کا وہ سلسلا نہیں ہے
ہماری تقدیر میں بقا ہے، مصیبتیں ہیں، فنا نہیں ہے

ذرا تو اے برق صبر فرما، یہ کوندنے کا کہاں ہے موقع
ابھی تو تنکے چنے ہیں میں نے، ابھی نشیمن بنا نہیں ہے

کرم بھی ایسا کرم تمہارا کہ جس میں لاکھوں ستم کے پہلو
ستم بھی ایسے ستم تمہارے کہ جن کی کچھ انتہا نہیں ہے

بتو! یہ بیداد بے سبب کیوں، کرم کی اُمید پر غضب کیوں؟
تم ایسے پیش آ رہے ہو ہم سے، ہمارا جیسے خدا نہیں ہے

تمہیں پہ کیا منحصر ہے تنہا تمہیں سے مجھ کو نہیں ہے شکوہ
یہ جتنے رنگیں ادا حسیں ہیں کسی میں بوئے وفا نہیں ہے

زمیں بھی دشمن، فلک بھی دشمن، تمام عالم خلاف لیکن
مجھے تو اس بات کا ہے رونا تمہیں بھی خوفِ خدا نہیں ہے

بہ فیضِ ابرِ طبیعت اشعرؔ ہمارے گلزارِ شاعری میں
تمام غنچے ہیں اور گل ہیں گزر کہیں خار کا نہیں ہے

کسی کے سامنے کیفیتِ اُلفت بیاں کیوں ہو؟
جو تیرا رازداں ہو، کوئی اس کا رازداں کیوں ہو؟

ہمارے عشق پر آخر چنیں کیوں ہو، چناں کیوں ہو؟
کوئی تم سے اگر پوچھے حسیں کیوں ہو، جواں کیوں ہو؟

کوئی اب تک نہیں سمجھا تمہاری مصلحت کیا ہے؟
تم اپنے ڈھونڈنے والوں کی نظروں سے نہاں کیوں ہو؟

نیاز و ناز بھی اک دوسرے میں جذب ہو جائیں
نگاہِ شوق بھی میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو؟

جفائے باغباں و برق سے میں خوب واقف ہوں
چمن کی چار دیواری میں میرا آشیاں کیوں ہو؟

وہ اک سجدہ جو تیری دید پر موقوف و مبنی ہے
ترے نظّارہ سے پہلے رہینِ آستاں کیوں ہو؟

چمن میں ہر کہ و مہ مستحق ہیں شادی و غم کے
نزولِ برق بالتخصیص سوئے آشیاں کیوں ہو؟

مرے حق میں الٰہی یہ جفائے دوست کیا کم ہے؟
مری تقدیر سے وابستہ دورِ آسماں کیوں ہو
مری موجودگی میں کون اُٹھائے بارِ عشق اشعرؔ
کوئی صرفِ تباہی کارواں در کارواں کیوں ہو؟

وہ ادائیں باعثِ سرشاریٔ جاں ہوگئیں — جو سکونِ دل کی بربادی کا ساماں ہوگئیں
وہ حیا آگیں نگاہیں جب اُٹھیں میری طرف — تیر بن کر دفعتہً جزوِ رگِ جاں ہوگئیں
جوشِ وحشت میں چھٹا وہ در بھی سجدے بھی گئے — کام کی باتیں بھی نذرِ سہو و نسیاں ہوگئیں
کر چکا آئینہ سے دریافت، اب مجھ سے بھی پوچھ — تو نے کیوں زلفیں سنواریں، کیوں پریشاں ہوگئیں
ایک مدت تک رہیں صبحیں جو محتاجِ طلوع — کیوں نہ اک دن کیلئے میرا گریباں ہوگئیں

مدتوں یاد آئے گا اشعرؔ یہ دورِ نارسی
گر دُعائیں باریابِ بزمِ جاناں ہوگئیں

بلائے جاں تری زلفوں کے پیچ و خم بھی ہوتے ہیں
طبیعت بھی اُلجھتی ہے پریشاں ہم بھی ہوتے ہیں

حسین اہلِ نظر سے شاد بھی برہم بھی ہوتے ہیں
یہ عالم آشنا، بیگانۂ عالم بھی ہوتے ہیں

تحیّر، غنچۂ نورس کے مرجھانے پہ، کیا معنے؟
جو شیرازے بندھا کرتے ہیں وہ برہم بھی ہوتے ہیں

یہ جن دیوانوں سے ان کی توجّہ بے تعلّق ہے
یہی دیوانے اُن کی بزم کے محرم بھی ہوتے ہیں

جہاں ہے ان حسینوں کی دلآزاری کا چرچا ہے
کبھی بے کس کے یہ کا فرشریکِ غم بھی ہوتے ہیں؟

رسائی ہے کہاں تک اہلِ دل کی؟ تم نہیں واقف
تمہاری انجمن میں غائبانہ ہم بھی ہوتے ہیں

مجھے کیا حق ہے اشعرؔ کم نگاہی کی شکایت کا؟
مجھی پر ظلم اس سفّاک کے پیہم بھی ہوتے ہیں

وہ ہم نشیں ہیں دیدہ و دل کو قرار ہے   اب پائیدار ہستیِ ناپائیدار ہے

جلوے تمام کون و مکاں کے سمیٹ کر
کس درجہ کشمکش میں دلِ بیقرار ہے

اللہ رے بیقراریٔ اُلفت کی لذّتیں
وہ دل جو بے قرار نہیں، بیقرار ہے

دامن کو چاک، ہوش کو بیگانہ کر دیا
کیا نشۂ شراب میں موجِ بہار ہے؟

شکوہ ہی کم نگاہیٔ جاناں کا ہے سبب
جلوہ کا ظرفِ چشم پہ دار و مدار ہے

واعظ غلط ہے نیتِ رنداں پہ لعن طعن
واقف دلوں کے بھید سے پروردگار ہے

اشعرؔ وہ پیش آتے رہیں گے عتاب سے
جب تک بقائے گردشِ لیل و نہار ہے

ایک جاں اور عدو غیر تعدد پیدا
سب تری ذات سے ہیں جبر و تشدّد پیدا

روز اس دل کیلئے جلوہ گہِ حُسن میں ہیں
رنج پر رنج تردّد پہ تردّد پیدا

اب یہی دل ہے پریشان و پشیماں کیا کیا
اسی کمبخت نے ربط اُس سے کیا خود پیدا

وہ نہیں دیکھتے اکثر، میں جدھر دیکھتا ہوں
اُنہیں نظروں سے کبھی ہو وہم توارد پیدا

بدگمانی مری جانب سے وہاں غیر سبب
ان کی جانب سے یہاں خوفِ تشدّد پیدا

کس طرح دیجیے پیغام محبت کا اُنہیں
اب نہ قاصد ہے نصیب اور نہ ہُدہُد پیدا

نہیں یہ صفحۂ قرطاس پہ الفاظِ شعر
دہنِ کلک سے ہیں لعل و زمرّد پیدا

درک اپنا ہے، نہ عرفاں ترا حاصل مجھکو　　کبتک الجھائے گی رنگینیٔ باطل مجھ کو؟
آپ کی مست نگاہی پہ نہ آیا الزام　　ہوشیاری سے کیا آپ نے غافل مجھ کو
نزع کے وقت بھی کیوں عزمِ عیادت آخر؟　　ظالم اب بھی نہ سمجھ لطف کے قابل مجھ کو
ڈوب مرنے کو سمجھتا ہوں حیاتِ جاوید　　موجِ طوفاں ہے ہم آغوشیٔ ساحل مجھ کو
دل پہ رنگیں نظر اک ڈال کے روزِ اوّل　　سونپ دی آپ نے کونین کی مشکل مجھ کو

کیوں نہ کوتاہیٔ قسمت کا ہو شکوہ اشعرؔ
ابھی مقسوم نہیں جذبۂ کامل مجھ کو

علاوہ گلستاں کے اور گنجائش کہاں میری؟　　ترے لطف و کرم پر زندگی ہے باغباں میری
ذرا اے بادِ صرصر چھیڑ کرنا ہوشیاری سے　　رگِ گل سے سوا نازک ہے شاخِ آشیاں میری
انا الحق، قُم باذنی، لن ترانی، نالۂ بلبل　　کئی عنوان سے مشہور ہے اک داستاں میری
ضیائے داغِ دل کا رنگ اڑایا ماہِ کامل نے　　ادائے چاکِ دامن لے اڑی ہے کہکشاں میری

کبھی تو راہ پر آئیگا اشعرؔ وہ بتِ کافر
خدا چاہے تو جائے گی نہ محنت رائیگاں میری

مُسکرا کر مجھ سے طالبِ دین و ایماں کا ہوا ‏ ‏ ‏ آج کافر کس تکلف سے کرم فرما ہُوا
وقتِ نظّارہ بہارِ گلستاں سے ہوش اُڑے ‏ ‏ ‏ ہر گلِ آتش بکف مجھ کو یدِ بیضا ہُوا
تم جو آئے ہو مرے گھر روٹھ کر جانیکے بعد ‏ ‏ ‏ آج میرا وقت واپس آگیا گزرا ہوا
ہر طرف اے طائرِ دل امن کی بارش کہاں ‏ ‏ ‏ ہے زمیں سے آسماں تک دام سا پھیلا ہوا
تو بہ تو رنگیں پردے شش جہت کے دیکھکر ‏ ‏ ‏ جابجا تیرے حریمِ حسن کا دھوکا ہُوا

کچھ عجب انداز ہے اشعرؔ دلِ بیتاب کا
مجھ کو بھی رسوا کیا اور آپ بھی رُسوا ہُوا

بے وجہ بھی وہ ہم سے کبیدہ نظر آئے ‏ ‏ ‏ ہم دوست کے گھر آئے کہ دشمن کے گھر آئے
وہ چشمِ زمانہ تھی کہ کھاتی رہی دھوکے ‏ ‏ ‏ یہ میری نظر تھی کہ جیسے تم نظر آئے
سچ ہے کہ بڑا عیب ہے دِل لیکے نہ دینا ‏ ‏ ‏ ہر شخص سے تم آنکھ چراتے نظر آئے
دیکھا تو سہی تجھ کو نظر بھر کے نہ دیکھا ‏ ‏ ‏ اے کاش کہ تو سامنے بارِ دگر آئے

اشعرؔ بھی ہے مشتاق تری چشمِ کرم کا
کچھ جبر نہیں تجھ پہ ترے جی میں گر آئے

مٹایا ہی چمن سے خوفِ برق و باغباں ہم نے
بنایا ہی قفس کی تیلیوں سے آشیاں ہم نے

کیا ہی اُن پہ ظاہر اس طرح دردِ نہاں ہم نے
سنائی ہی لب و لہجہ بدل کر داستاں ہم نے

رہیگا یاد افسانہ وفا کا رہتی دنیا تک
کہ رنگِ عشق پر ڈھالا ہی رنگِ بوستاں ہم نے

گلوں کا خندۂ بے اختیار آمدِ خزاں کی ہی
سمجھ رکھا ہی انجامِ بہارِ گلستاں ہم نے

بہارِ دیر و کعبہ کون تھا جس نے نہیں دیکھی
دلِ وحشی کو پایا بے نیازِ دو جہاں ہم نے

یہ حسن اور حسن کی یہ بدگمانی اے معاذ اللہ
اُنہیں دیکھا ہے اکثر اُنسے بھی دامن کشاں ہم نے

کلیجہ تھام کر ہر سننے والا رو دیا اشعرؔ
سنائی اس طرح محفل میں اپنی داستاں ہم نے

دنیا کو دیکھ دیدۂ بینا لئے ہوئے
ہر ذرّہ ہے جہانِ تماشا لئے ہوئے

تو اور میرے سایہ سے بھی تجھ کو احتراز
میں اور دل میں تیری تمنّا لئے ہوئے

کوسوں حدودِ شوق سے آگے نکل گیا
ناکامیٔ نظر کا سہارا لئے ہوئے

اب تابِ انتظار نہیں، شوقِ دید میں
آجا مرے سکون کی دنیا لئے ہوئے

آئینہ دارِ حسن، ہر اشکِ چکیدہ ہے
یہ پستیاں ہیں اوجِ ثریّا لئے ہوئے

اشعرؔ تصورات کی رنگینیاں نہ پوچھ
وہ جلوہ بار ہیں رُخِ زیبا لئے ہوئے

جذبۂ غمِ عشق کی تصویر کامل ہو گیا
جو مرے دامن پہ آنسو گر پڑا دل ہو گیا

اک قدم مہلت خودی نے خود شناسی کی نہ دی
میرا سایہ خود غبارِ راہِ منزل ہو گیا

اللہ اللہ دو جہاں میں اسکی شانِ امتیاز
تو جسے بھی خوبیٔ قسمت سے حاصل ہو گیا

وہ جہاں بھی ہیں ہمارے واسطے ہیں حشر تک
اب یہاں آئیں نہ آئیں مطمئن دل ہو گیا

میرے ہی امکان میں تھیں عشق کی آسانیاں
میرے ہی مشکل سمجھ لینے سے مشکل ہو گیا

مدعی تابِ نظارہ تھا ہر اہلِ نظر
پردہ اُٹھتے ہی دگرگوں رنگ محفل ہو گیا

اُن کو کیا معلوم انکی اک نظر کیا چیز تھی؟
مجھ سے پوچھو اب مرا دل واقعی دل ہو گیا

کیا خبر کس طرح پیش آتا وہ غارت کوشِ ہوش؟
ہوشیاری کی یہ اشعرؔ نے کہ غافل ہو گیا

گل ہائے نوشگفتہ پہ جو اشکِ بار تھا
وہ رازِ آشنائے مآلِ بہار تھا

فطرت شناسِ زیست دلِ بے قرار تھا — وہ غم لیا جو منتخبِ روزگار تھا
جاگا کیا ہوں نیند کے عالم میں رات بھر — کتنا لطیف وعدۂ بے اعتبار تھا
جنت بنا ہوا تھا چمن تیرے سایہ میں — تیرے ہی حسن سے تو گلوں پر نکھار تھا
یہ انقلاب فطرتِ غم میں نیا ہے آج — کل تک تو ہم کو جبر پہ کچھ اختیار تھا
تکمیلِ شوق تھی مجھے دشوارئ حیات — میں ہی ادا شناسِ غمِ روزگار تھا
اب ہم ہیں اور کشمکشِ اضطراب دل — وہ دن گئے کہ دعوئ صبر و قرار تھا
اپنی کشش سے کیوں نہ انہیں جذب کر لیا — یہ کیا تکلف اے نگہِ انتظار تھا؟
شاید ہے انتہائے محبت اسی کا نام — تم پاس تھے تو اور بھی دل بیقرار تھا
کتنی لطیف تھی مری محویتِ خیال — جھونکا نسیم صبح کا بھی ناگوار تھا

محروم کون تھا نگہِ لطف سے تری؟
معتوب صرف شاعرِ ناکردہ کار تھا

خاک اڑتی ہے چمن میں چارسو تیرے بغیر — موجۂ طوفاں ہے موجِ رنگ و بو تیرے بغیر
دامنِ فردوس تھیں جو اکتسابِ حسن سے — رو رہی ہیں اب وہی آنکھیں لہو تیرے بغیر

ہر طرف مایوسیاں ہیں، ہر جگہ اندھیر ہے العرض ناقص ہے ذوقِ جستجو تیرے بغیر
کون میرے اشکِ غم کی داد دے تیرے سوا خاک ہے عشق و وفا کی آبرو تیرے بغیر
آ، کہ تیرے حسنِ معنی خیز سے ہو کچھ قرار نامکمل ہے حدیثِ آرزو تیرے بغیر

دہر میں وجہ سکوں تیرے علاوہ کون ہے؟
مضطرب ہے اشعرؔ دیوانہ خو تیرے بغیر

آبادئ جنوں میں بھی ویرانہ چاہیئے دل پائمالِ جلوۂ جانانہ چاہیئے
مستی میں رازِ ہر دو جہاں آشکار ہوں اتنا تو ہوش اے دلِ دیوانہ چاہیئے
آئے ہیں لے کے ناز، حریمِ نیاز میں اندازِ عشق سب سے جُداگانہ چاہیئے
ساقی! حواس و ہوش کا ہنگامہ گرم ہے ایسے میں ایک گردشِ پیمانہ چاہیئے
ہے ننگِ میکشی مے و ساغر کا انتظار ہر جنبشِ نگاہ میں مے خانہ چاہیئے

اشعرؔ یہ جبہ سائیِ دیر و حرم، غلط
سجدہ کے واسطے درِ جانانہ چاہیئے

نگاہِ حقیقت نگر چاہتا ہوں
میں جلووں سے پہلے نظر چاہتا ہوں

مداوائے دردِ جگر چاہتا ہوں
کوئی نشترِ کارگر چاہتا ہوں

قیودِ دوعالم سے آزاد ہوکر
تمہیں تم کو پیشِ نظر چاہتا ہوں

مزہ مِل گیا مجھ کو ناکامیوں کا
میں اب آہ بھی بے اثر چاہتا ہوں

نشیمن کی تعمیر وہ بھی چمن میں
گرے مجھ پہ بجلی اگر چاہتا ہوں

سزا بھی، جزا بھی، فنا بھی، بقا بھی
تری ذات پر منحصر چاہتا ہوں

مرے ذوقِ پرواز کا پوچھنا کیا؟
بہت طاقتِ بال و پر چاہتا ہوں

مجھے ظلمتوں میں بھی تسکینِ دل ہے
میں اب شام بھی بے سحر چاہتا ہوں

کوئی حد ہے اس جوشِ وحشت کی شعلہ
بیاباں کی مانند گھر چاہتا ہوں

خِلقت کا سبب میری تماشا طلبی تھی
جینے سے بھی پہلے مجھے مرنے کی پڑی تھی

جب آنکھ سرِ بزم تری سمت اُٹھی تھی
کچھ اور ہی عالم تھا، نہ غم تھا نہ خوشی تھی

بیمارِ محبت جو نہ دنیا سے سدھارا
شاید ترے اندازِ تغافل میں کمی تھی

یہ کس نے بدل دی مرے احساس کی دنیا　　وہ بات کہاں ہے؟ جو مرے دل میں کبھی تھی
دھوکہ میں دلاویزیٔ اشیاء کے نہ آیا　　کس درجہ شناسا مری بیگانہ روی تھی
خود لے گئی اک موجِ یمِ حسن بہا کر　　اللہ رے کیا چیز مری تشنہ لبی تھی
جب واقفِ انداز تماشا ہوئیں آنکھیں،　　دیکھی وہ تری شان جو دیکھی نہ سنی تھی
کس واسطے بیمار کی بالیں پہ گئے تھے؟　　کس رنگ کی تصویر محبت میں کھنچی تھی

ڈھونڈا اُسے ہر سمت مگر خود میں نہ ڈھونڈا
اشعرؔ یہ ہماری ہی نظر کی غلطی تھی

نہ غفلت میں رہ کر نہ ہشیار ہو کر　　اُسے ڈھونڈیئے سب سے بیزار ہو کر
نرالا ہے بازارِ اُلفت کا سودا　　بکے جا رہے ہیں خریدار ہو کر
ودیعت گہِ دولتِ غم بنا ہوں　　یہ دل کام آیا ہے بے کار ہو کر
یہ سب عشق کی کارفرمائیاں ہیں　　دو عالم سے چھوٹے گرفتار ہو کر
عیادت کو میری چلے آ رہے ہیں　　ملی دولتِ دید، بیمار ہو کر
تری یاد موقوف ہے بے خودی تک　　تجھے بھول جائیں گے ہشیار ہو کر
شرابِ خودی سے ہیں سرشار اشعرؔ　　ہوئے اور بدمست، ہشیار ہو کر

کیا چیز ہے رنگینیٔ دنیا مرے آگے؟ — ہر وقت ہے اک حسن سراپا مرے آگے

آنکھوں میں سمائے تو کبھی دل میں در آئے — جلوے ترے بیچین ہیں کیا کیا مرے آگے

نزدیک مگر ساعتِ تکمیلِ جنوں ہے — ہر رقص میں ایک ایک بگولا مرے آگے

وہ دن گئے جب عشق تھا بیگانۂ تسکیں — اب حسن ہے مجبورِ تماشا مرے آگے

میں دلکشیٔ حسنِ بتاں دیکھ رہا ہوں — سجدے میں ہیں سب دیر و کلیسا مرے آگے

عالم کی سیادت سے ہوا رفع مری فطرت — ہے پست ہر اک منصبِ اعلیٰ مرے آگے

لذت کشِ کیفیتِ گم نام ہوں اشعرؔ
اب نام نہ لے کوئی، کسی کا مرے آگے

بیزارِ انجمن سے اے محوِ ناز ہو جا — آ، اور میرے دل کا سربستہ راز ہو جا

کر بڑھ کے ایک سجدہ وہ سامنے کھڑے ہیں — اشکِ سرِ مژہ چل، محوِ نماز ہو جا

ہر شے کو جگمگا دے اے برقِ حسنِ رعنا — ذرہ نواز کب تک؟ عالم نواز ہو جا

ہے حسنِ ناز پرور آمادۂ تجلی! — یہ وقت ہے غنیمت، محوِ نیاز ہو جا

اشعرؔ بقدرِ موقع افشائے حالِ دل کر — یہ کس نے کہہ دیا ہے تفصیلِ راز ہو جا

گلشن میں ٹھہرنا خوب نہیں، پھر حسرتِ گلشن کیا کیجئے؟
دو۲ دن ہے بہارِ لالہ و گل، تدبیرِ نشیمن کیا کیجئے؟

پہلی سی فضائے حسن نہیں، ہے اہلِ نظر کی آج
جب جلوے نہ تھے اب جلوے ہیں اور تنگ ہے دامن کیا

ہر ذرّہ ہے سطرِ نور یہاں، ہر ذرّہ ہے تخلِ طور یہاں
اب جائیے بھی تو جا کر سوئے وادیٔ ایمن کیا کیجئے؟

یہ موجِ چمن، یہ موسمِ گل، صیاد پر اب بھی زور نہیں
اس وقت ہو ایک اک شاخ یہاں شایانِ نشیمن کیا

اعراضِ محبت سہل نہیں، تسکینِ محبت ناممکن
الجھا ہے وفا کے کانٹوں میں امید کا دامن کیا کیجئے؟

ہر چند ہوں اشعرؔ نکتہ سرا، ہیں اہلِ زباں: اعجازِ بیاں
فن کا کوئی پرساں آج نہیں پھر منزلتِ فن کیا کیجئے؟

زندگی دیرپا نہیں، نہ سہی جس میں رنگِ وفا نہیں، نہ سہی

ڈوب مرنا ہے مدّعا اپنا، تو اگر ناخدا نہیں، نہ سہی
فتنہ زا خود ہے عشق کی فطرت حسن ہنگامہ زا نہیں، نہ سہی
تو اگر مل گیا تو سب کچھ ہے کچھ ترے ماسوا نہیں، نہ سہی
آ ہی جائے گا صبر آخر کار دردِ دل کی دوا نہیں، نہ سہی
ذوق خود آشنائے منزل ہو گر کوئی رہنما نہیں، نہ سہی

دل میں خوفِ خدا تو ہے شعریؔ
ہیں اگر پارسا نہیں، نہ سہی

مستی ہو آج کل سے سوا چشمِ یار میں فرق آ نہ جائے گردشِ لیل و نہار میں
جب سرنگوں ہوا ہوں ترے انتظار میں کوندی ہیں بجلیاں سی دلِ بیقرار میں
اب سامنے وہ آئے بس اب جلوہ گر ہوئے چاروں طرف نظر ہے اِسی انتظار میں
پھولوں کو اپنے عکس سے بجلی بنا دیا تم نے تو اور آگ لگا دی بہار میں
اس دل کو، اس جگر کو، ان آنکھوں کو کیا کروں جب تم نہیں تو کچھ بھی نہیں اختیار میں
مجھ کو مذاقِ عشق نے یہ کیا بنا دیا؟ دل تیری یاد میں ہے نظر انتظار میں

یہ باغ، یہ بہار، یہ طوفانِ رنگ و بُو — جینا مرا محال ہے اب کے بہار میں
مایوسیوں نے میری سفارش اجل سے کی — جب تھک گئی نگاہ ترے انتظار میں

اشعرؔ وہ کیا فسانۂ دوشیں چھپائیں گے؟
ڈوبی ہوئی ہے نرگسِ شہلا خمار میں

غم نے جو روا رکھے تم نے دلِ مضطر سے — کچھ تیز ہی نکلے وہ چلتے ہوئے خنجر سے
دامانِ قضا رنگیں کیجیے قطرۂ تر سے — رودادِ چمن دیجیے ترتیب نئے سر سے
چشمک ہی تمہیں کیا کیا میرے دلِ مضطر سے — اللہ رے یہ کاوش اک رنج کے خوگر سے
اُٹھ، کسبِ تجلّی کر، او محوِ گراں خوابی — ہر غنچۂ نورس سے، ہر برگِ گلِ تر سے
ان مست نگاہوں کا میری ہی طرف رخ ہو — یہ ابر اگر برسے میری ہی طرف برسے

پھر حسن کی آرائش ہے مدِّ نظر ان کو
اُمید نہ کی جائے اب ضبط کی اشعرؔ سے

اے جمالِ دلفروز، اے نیرِ تابانِ دل — تیرے جلووں سے شب مہتاب ہے دامانِ دل

خلوت اُسکی، قسمت اُسکی قابلِ صد رشک ہے حسبکو تیری دید حاصل ہے بہ اطمینانِ دل
اے قدر انداز، تیری اس توجہ کے نثار شکر کرتا ہوں کہ تیرا تیر ہے مہمانِ دل
مٹنے سے نقشِ وفا کے اور اُبھر آئی وفا ٹوٹنے سے دل کے پختہ ہو گیا پیمانِ دل
فرصت اب اس کے تصوّر سے نہیں اشعر مجھے
جسکے حسنِ روز افزوں نے بڑھا دی شانِ دل

تری دید جانِ طرب چاہتا ہوں مگر ضد یہ ہے بے طلب چاہتا ہوں
میں تسکینِ ذوقِ طلب چاہتا ہوں تمہیں روبرو روز و شب چاہتا ہوں
بنا دیتے ہو تم سراپا تجلّی تمہاری توجہ میں جب چاہتا ہوں
ستم بھی تمہارے جفا بھی تمہاری خدا کی قسم! بے سبب چاہتا ہوں
ازل سے یہ دل آج تک اک بلا ہے نہ جب چاہتا تھا، نہ اب چاہتا ہوں
کھٹکتے ہیں آنکھوں میں روشن ستارے میں تاریک فرقت کی شب چاہتا ہوں
مجھے فکرِ تکمیلِ فن کی ہے اشعر
میں معراجِ علم و ادب چاہتا ہوں

طالبِ خلد نہ ہم اے دلِ ناداں ہونگے　　اس طرف رُخ نہ کرینگے اگر انساں ہونگے
وجہِ جمعیتِ خاطر مرے ارماں ہونگے　　تیرے گیسو تو نہیں ہیں کہ پریشاں ہونگے
جستجوئے نگہِ شوق مکمل ہے اگر　　خود بہ خود جلوے ترے سلسلہ جنباں ہونگے
مسلکِ عشق میں ہے کفر ہی عینِ ایماں　　ہم مسلمان بھی ہو کر نہ مسلماں ہونگے
جب تمنائے سحر تھی ہمیں، وہ وقت گیا　　تجھ سے بیزار نہ اب اے شبِ ہجراں ہونگے
بجلیوں سے، گل ولالہ سے، مہ وانجم سے　　اُن کو ہونا ہے نمایاں، وہ نمایاں ہونگے

جوش میں آئیگا دریائے کرم اے آشفتہ
ہم جو شرمندہ، باندازۂ عصیاں ہونگے

دِل ہے بیتاب کبھی آنکھ کو حیرانی ہے　　حسن ہر رنگ میں گرمِ شرر افشانی ہے
ہر طرف جلوے ہیں، یہ حسن کی ارزانی ہے　　میری جمعیتِ خاطر کو پریشانی ہے
اب دِل و دیں، نہ دل و دیں کی نگہبانی ہے　　ہائے کیا چیز مری بے سروسامانی ہے
ماہِ نو کو ہے عطا ناخنِ وحشت کی خراش　　مرحمت صبحِ سعادت کو گریبانی ہے
چشم آگاہ ہے اور شوق مکمل ہے اگر　　جس طرف دیکھئے جلووں کی فراوانی ہے

روبرو تیرے نہیں ہے یہ شہابِ ثاقب
عرق افشاں مہِ شب تاب کی پیشانی ہے

وہ تغافل نہ تھا، دِل دیکھ رہے تھے میرا
یہ تبسّم نہیں، مجھ پر نظرِ ثانی ہے

اب کے کچھ اور ہی آثارِ جنوں ہیں شعرؔ
درودیوار پہ ویرانی سی ویرانی ہے

کیسا مقابلہ ترے حسن و شباب کا
اک دن نہ جل سکے گا چراغ آفتاب کا

اے دردِ دل، ٹھہر ابھی پہلو تہی نہ کر
انجام دیکھنا ہے مجھے اضطراب کا

میں اور تیرے عشق کا دعویٰ کہاں ہے
ذرّہ کو بھی دماغ ہوا آفتاب کا

اے جلوۂ جمال، بس اب ضبط ہو چکا
اب عزم ہے کچھ اور مرے اضطراب کا

تیری نگاہِ لطف کے قربان جائیے
عالم بدل دیا دلِ خانہ خراب کا

دِل اضطراب میں بھی مرا دو بکا ہے
مطلب سمجھ رہا ہوں نگاہِ عتاب کا

پہلے نگاہِ شوق کو وسعت تو دیجیے
ذرّہ کے سینہ میں ہے جلال آفتاب کا

اشعرؔ رہِ وفا میں ضرورت ہے ضبط کی
کمبخت پیش خیمہ ہے عزمِ فتح باب کا

کس قدر تو غارتِ جاں آسرا یا نور ہے
یہ تبسّم ہے ترے لب پر کہ برقِ طور ہے؟

پھر کوئی موسئے نفس ہنگامہ آرا چاہیئے
کیا قیامت ہے کہ گل اب تک چراغِ طور ہے

پیشِ ہمت، درسِ الفت قلبِ مضطر کچھ نہیں
اب ہوئی تکمیل اگر اللہ کو منظور ہے

بہرِ نظارہ کلیم آسا۔ ہمارے پاس بھی
قلبِ مضطر، دشتِ ایمن چشمِ حسرت، طور ہے

بادۂ منصور کی سرجوشیاں برحق، مگر
جذبۂ منصورؔ آئینِ وفا سے دور ہے

ہم وفا کرتے رہیں، ہوتی رہے ہم پر جفا
یہ ہمارا فرض ہے، وہ آپ کا دستور ہے

مجھ کو اے شعرؔ نہیں اک لمحہ تسکین و قرار
کوئی دشمن ہے کہ پہلو میں دلِ رنجور ہے

سامنے ابرو وا فشاں تھے دلِ دلگیر کے
رات بھر تارے گنے ہیں سایہ میں شمشیر کے

مدّعی ہیں پیشِ داورِ حسن کی تشہیر کے
ہو گئے وہ بھی گریباں گیر، دامن گیر کے

دل، جگر دونوں کئے مجروح، سینہ چیر کے
کوئی دیکھے تو ذرا پہلو بدلنے تیر کے

دین و ایماں پر بنی، دم پر بنی، دل پر بنی
صرف صدقہ ہیں تمہارے حسنِ عالمگیر کے

کھب گئے آنکھوں میں دل میں خال و خط، نقش و نگار
ہائے یہ چلتے ہوئے جادو تری تصویر کے

ابتدا سے آج تک دنیا مری تاریک ہے
کیا سیاہی گر پڑی تھی صفحہ پر تقدیر کے؟
ہاں! مکرّر التماسِ دیدِ اشعر چاہیئے
کچھ تامل ہے سمجھنے میں اُنہیں تقصیر کے

ترقی اور دے یارب جنونِ فتنہ ساماں کو
کہ ہونا چاہیئے دامن کا ہم پلہ گریباں کو
اشارہ ہے یہ اربابِ جنوں سے خارِ صحرا کا
کہ پہلے جھاڑیئے پلکوں سے دامانِ بیاباں کو
اگر ہنگامِ نظارہ اجازت مجھ کو ملجائے
تو رکھ لوں دیدہ و دل میں نگاہ برق ساماں کو
نہ یہ وجہ سکونِ دل نہ وہ، اللہ رے محرومی
قرار اُنکی نگاہوں کو نہ اُن کے عہد و پیماں کو
شبِ فرقت علاوہ چند پروانوں کے اے اشعر
جلانا چاہتی ہے شمع بھی مجھ سوختہ جاں کو

اب تو ہر دم یہی رہ رہ کے خیال آتا ہے
دیکھئے، عمر میں کب وقتِ وصال آتا ہے؟
شامِ غم، دو ہری بلا، دو ہرا ملال آتا ہے
تم بھی یاد آتے ہو، دل کا بھی خیال آتا ہے؟
روشنی خانۂ دل میں ہے الٰہی کیسی؟
کون یہ ماہ وش و مہر جمال آتا ہے؟

سب کی شنوائی سرِ بزم کہاں ہوتی ہے؟ سو میں دو چار کو اندازِ سوال آتا ہے
دیدہ و دل رہیں اب تابِ تو آئے ہشیار جسکی حسرت ہے وہی برقِ جمال آتا ہے
ہو گیا ترکِ محبت کو زمانہ | شعر
خواب کی طرح کبھی اس کا خیال آتا ہے

کیوں بند اپنی چشمِ تماشا کرے کوئی؟ کیا دیکھنا گناہ ہے کہ توبا کرے کوئی
سو سو بناؤ ہیں ترے اک اک بگاڑ میں بس چھیڑ چھیڑ کر تجھے دیکھا کرے کوئی
دیر و حرم میں کیا ہے بجز خاک و سنگ و خشت جب آپ سامنے ہوں، تو سجدا کرے کوئی
میری نگاہِ شوق سے اوجھل ہوا تو کیا؟ میرے خیال سے بھی تو پردا کرے کوئی
جب دل میں اہلیت ہی نہ ہو جذبِ حسن کی پھر کیوں نگاہِ شوق کو رسوا کرے کوئی؟
دنیا ہے اور خود غرضی کے مظاہرے فرصت کہاں کہ میرا مداوا کرے کوئی
جب جستجو کے بعد بھی قسمت میں تو نہیں پھر خاک زندگی کی تمنا کرے کوئی
اشعر فلک کے قہر و غضب اُنکے ظلم و جور
کس دل سے کس نگاہ سے دیکھا کرے کوئی؟

اگر سمجھے تو کیا صیاد میری داستاں سمجھے؟ نہ میں اُس کی زباں سمجھوں نہ وہ میری زباں سمجھے
نہ کیوں دنیا مری آوازِ حق کو چیستاں سمجھے؟ مجھے جس نے کبھی سمجھا ہو وہ میری زباں سمجھے
تجھے سمجھے، تری محفل کے اسرارِ نہاں سمجھے مگر پھر بھی سمجھنے کی طرح اب تک کہاں سمجھے؟
ہماری جستجوئے دید کیا تھی؟ اک معمہ تھی کبھی ان کو نہاں سمجھے کبھی خود کو نہاں سمجھے
محبت میں غلط فہمی بھی لذت سے نہیں خالی ہم اُن کے دردِ اُلفت کو نشاطِ جاوداں سمجھے
الٰہی خانۂ صیاد کا ماحول بھی کیا ہے ؟ بڑی مدت کے بعد اہلِ چمن میری زباں سمجھے

بھرم کھویا ہماری سادگی نے ہر جگہ شعری
جسے خاموش دیکھا اُس کو اپنا رازداں سمجھے

شمعِ ہستی عدم آغوش ہوئی جاتی ہے صبح سے پہلے ہی خاموش ہوئی جاتی ہے
فکرِ امروز، فراموش ہوئی جاتی ہے زندگی صرفِ غمِ دوش ہوئی جاتی ہے
تجھ کو معلوم بھی ہے اپنے تغافل کا اثر یاد بھی تیری فراموش ہوئی جاتی ہے
چشمِ پُر آب کو اک لمحہ نہیں تابِ نظر ہے تجلی کہ ہم آغوش ہوئی جاتی ہے
شمع بھی مائلِ گریہ سرِ بالیں کب تک؟ یہ بھی کچھ دیر میں خاموش ہوئی جاتی ہے

پھوٹا پڑتا ہے رگ و پے سے ترا کیفِ شباب | آنکھ پیمانۂ سرجوش ہوئی جاتی ہے

میری ہستی بھی عجب سحر اثر ہے اشعرؔ
میری ہی نظروں سے روپوش ہوئی جاتی ہے

حقیقتِ حق و باطل سے آشنا ہوں میں | حریمِ راز کی گونجی ہوئی صدا ہوں میں

تصوّرات کی منزل سے آشنا ہوں میں | اب اُنکوان سے چھپا کر بھی دیکھتا ہوں میں

نگاہِ لطف کا مفہوم جانتا ہوں میں | ترے مذاقِ طبیعت سے آشنا ہوں میں

سما سے تا بہ سمک سب ہیں گوش بر آواز | فسانۂ غمِ ہستی سُنا رہا ہوں میں

مری نظر نے تمہیں منتخب کیا۔ لیکن | خبر نہیں کہ تمہاری نظر میں کیا ہوں میں؟

ذرا سمجھ کے مرے حال پر نگاہِ کرم | تری روایتِ بیداد سُن چکا ہوں میں

نہ کھل گیا ہو بھرم تیرا اہلِ عالم پر | جنوں میں رازِ حقیقت نہ کہہ گیا ہوں میں

محیطِ کُل ہوا مٹنے کے بعد نقش مرا | کہاں کہاں وہ مٹائینگے جا بجا ہوں میں

کبھی گلوں پہ کبھی مہر و ماہ پر ہے نگاہ | حیات و موت کا مطلب سمجھ رہا ہوں میں

نیاز و ناز ہیں اک دوسرے سے وابستہ | وہ میرا آئینہ ہیں اُن کا آئینہ ہوں میں

الگ ہے سب سے مرا مسلکِ وفا اشعرؔ
نہ کوئی راہ ہے میری نہ رہنما ہوں میں

امید و بیم و اُلفت باعثِ مجبوریٔ دل ہے
کہاں کی زندگی الفت میں مر جانا بھی مشکل ہے

ہر اک ذرہ بنا ہے جلوہ گاہِ وادیٔ ایمن
نگاہِ شوق کو اس درجہ ذوقِ دید حاصل ہے

شرابِ عشق کی بدمستیاں ہیں ہوش کا مرکز
نہ ہم ساقی سے غافل ہیں نہ ساقی ہم سے غافل ہے

امیدِ عفو سے جرأت گناہوں کی ہوئی پیدا
ہماری معصیت میں کچھ تری رحمت بھی شامل ہے

نہ دنیا کی خبر اس کو نہ عقبےٰ کا پتہ اُسکو
ترا دیوانہ تیرے ماسوا ہر شے سے غافل ہے

بگولا جب کوئی اُٹھتا تھا دشتِ نجد میں اشعرؔ
پکار اُٹھتا تھا مجنوں یہ میری لیلیٰ کا محمل ہے

پھر جنوں سلسلہ جنباں نظر آتا ہے مجھے — آج دامن میں گریباں نظر آتا ہے مجھے
چارہ گر سر بہ گریباں نظر آتا ہے مجھے — درد اب قابلِ درماں نظر آتا ہے مجھے
حیرتی، جلوۂ جاناں نظر آتا ہے مجھے — آئینہ ساز بھی حیراں نظر آتا ہے مجھے
خلشِ دردِ محبت کا ذرا ظرف تو دیکھ — تیر بھی جزوِ رگِ جاں نظر آتا ہے مجھے
عرقِ آلود جبیں، خشک لب، آنکھیں بے نور — یہ تو کچھ اور ہی ساماں نظر آتا ہے مجھے
رنگ افروز نگاہوں میں ہے وہ جانِ بہار — دشتِ وحشت بھی گلستاں نظر آتا ہے مجھے
اے خوشا وقت کہ پردے سے نکلنے کیلئے — مضطرب جلوۂ جاناں نظر آتا ہے مجھے
میں وہاں ہوں کہ عقیدت ہے جہاں منکرِ ہوش — کفر بھی روکشِ ایماں نظر آتا ہے مجھے

ہائے کیا چیز ہے شعسؔ یہ مرا شعرِ حیات
جس کا ہر لفظ غزلخواں نظر آتا ہے مجھے

جلوہ گر وہ جلوۂ آزاد ہے — چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد ہے
دین و دل دونوں گئے اچھا ہوا — اب طبیعت ہر طرح آزاد ہے
اللہ اللہ، یہ شبِ غم یہ سکوت — آج میں ہوں اور تیری یاد ہے

درپئے کشتی ہے طوفانِ بلا — میرے لب پر "ہرچہ بادا باد" ہے
مرحبا، جاں بازِ اُلفت، مرحبا — ہرطرف شورِ مبارک باد ہے
تو ابھی اسرار سے واقف نہیں — درحقیقت شاد بھی، ناشاد ہے
اہتمامِ نالہ اشعار کس لئے؟
زندگی خود مستقل فریاد ہے

ہوا کیوں معتدل چلنے لگی صحنِ گلستاں میں!
کشاکش تو ابھی موجود ہے دست و گریباں میں

یہاں شوخیِ حرف و حکایت قلبِ سوزاں ہیں
وہاں اتمامِ حجت اک نگاہِ برق ساماں ہیں
یہی وہ بے قراری ہے جو پیغامِ سکوں دیگی
یہی دردِ جگر پہنچے گا لے کر بزمِ جاناں میں

زمانہ ہے ہدف تیری نگاہِ فتنہ پرور کا
معاذاللہ! کتنے دِل چھدے ہیں ایک پیکاں میں

مری دیوانگی بھی شانِ یکتائی کی حامل ہے
ہر اک ذرّہ مجھے حیرت سے تکتا ہے بیاباں میں

قیامت! آؤ ہم سے پوچھ لو قصّہ قیامت کا
قیامت ٹھوکریں کھاتی پھری ہے کوئے جاناں میں

مجھے بے خود کہ دیوانہ، کوئی کچھ بھی کہے | شعرؔ
مگر میں مست ہوں اپنے خیالاتِ پریشاں میں

آہ دیکھ جاں بلب ہے دیوانۂ محبّت — تمّت پر آچکا ہے افسانۂ محبّت
وہ دشمنِ وفا ہے، بیگانۂ محبّت — کس کو سنا رہا ہوں افسانۂ محبّت؟
آنکھوں سے گر رہے ہیں دامن پہ دل کے ٹکڑے — ترتیب دے رہا ہوں افسانۂ محبّت
دِل تیرے واسطے ہے، تو دل کے واسطے ہے — آ، اور جگمگا دے کاشانۂ محبّت
جب تم قریب جانا، دامن بچائے رہنا — ہشیار بھی بہت ہے، دیوانۂ محبّت
دنیا سے سلسلہ کیا، عقبےٰ سے واسطہ کیا؟ — آزادِ دو جہاں ہے دیوانۂ محبّت
سوزِ درونِ دل سے کر شانِ جلوہ پیدا — خود شمعِ حسن بن جا، پروانۂ محبّت

کس طرح باز رکھئے کمبخت چارہ گر کو
کیا لطفِ درد جانے بیگانۂ محبت

اس خاکداں کے اشعرؔ ذرّے لرز اٹھیں گے
میں نے اگر سنایا افسانۂ محبت

جن کو جہاں میں چشمِ حقیقت نگر ملے
ممکن نہیں کہ ان کو بھی تیری خبر ملے

کچھ وہ بھی سرگذشتِ محبت سمجھ سکیں
یارب اُنھیں بھی لذّتِ دردِ جگر ملے

تو نے نیاز مند بنایا، ہزار شکر
اب یہ دعا ہے، جلد ترا سنگِ در ملے

اس درجہ تا تمامیٔ اُلفت میں لذّتیں
یارب مری دعا کو نہ رنگِ اثر ملے

اہلِ چمن کو راحتِ باطن کہاں نصیب؟
گلشن میں چاک چاک گلوں کے جگر ملے

ہیں تشنہ ہم بھی دیدۂ میخانہ نوش کے
ساقی ہمیں بھی جرعۂ جامِ نظر ملے

اشعرؔ سناؤں ہجر کی غمناک سرگذشت
گر راہ میں کہیں وہ بُتِ فتنہ گر ملے

ہوشیاری کا پتہ عشق میں صلا، نہ مِلا
جو مِلا راہ میں تیری ہمیں دیوانہ مِلا

مستیِ جلوۂ رعنا کی کوئی حد ہی نہیں — مل گئے آپ تو گویا ہمیں میخانہ ملا
ساقیٔ بزم تری ظرف شناسی کے نثار — جو ملا جام ہمیں حاصلِ میخانہ ملا
زینتیں ہیں ترے پرتو سے بیابانوں کی — ہم کو ذرّوں میں ترے حسن کا افسانہ ملا
تیرا نظارہ نہیں برقِ نظر سوز سے کم — تجھ کو بے پردہ کوئی دیکھنے والا نہ ملا

اب ہوا ذوقِ نظر میرا مکمل اشعرؔ
جس طرف آنکھ اٹھی جلوۂ جانانہ ملا

موجِ بہار آئی ہے جب سے صبا کیساتھ — جوشِ جنوں میں دوڑ رہا ہوں ہوا کیساتھ
یہ کس کی جستجو ہے یہ کس کی تلاش ہے؟ — رہزن کیساتھ ہوں میں کبھی رہنما کیساتھ
ایک اک قدم پہ راہِ محبت میں عمر بھر — کھائی ہیں ٹھوکریں دلِ درد آشنا کیساتھ
کوتاہیِ نگاہ کا شکوہ فضول ہے — دل بھی ہے جلوہ ہائے نظر آزما کے ساتھ
گویا مرے سوا نہیں اہلِ نظر کوئی — میری طرف وہ دیکھتے ہیں اس ادا کیساتھ
شاید دعائے نیم شبی کارگر ہوئی — بیمارِ غم بھی اٹھ گیا دستِ دعا کیساتھ
اشعرؔ اس انجمن میں بقدرِ مذاقِ شوق — کھویا ہوا ہوں میں بھی دلِ مبتلا کیساتھ

مجھ کو دیکھے، ترے جلووں کا تماشا دیکھے
آنکھ اس محشرِ صد جلوہ میں کیا کیا دیکھے؟

جلوۂ ناز سے رنگیں ہے بساطِ عالم
اس تماشہ کو کوئی دیکھنے والا دیکھے

اس قدر فرصتِ نظارہ کہاں اے شعریؔ؟
کون ہر ذرّہ میں گنجائشِ صحرا دیکھے؟

دیدۂ شوق نہ دیدار پہ نازاں ہو جائے
کاش جلوہ ہی نقابِ رُخِ جاناں ہو جائے

قدر انداز! تجھے اپنی نگاہوں کی قسم
ایک وہ تیر جو پیوستِ رگِ جاں ہو جائے

اس نگاہِ غلط انداز سے پھر دیکھ مجھے
جو مری روح کی تسکین کا ساماں ہو جائے

دیکھ میرے دلِ وحشی کو حقارت سے نہ دیکھ
یہ وہ ذرّہ ہے جو چاہے تو بیاباں ہو جائے

جانتا ہوں کہ محبّت ہی حیاتِ دل ہے
اور اگر دل ہی محبّت سے گریزاں ہو جائے؟

تو اگر ایک نظر دیکھ لے اے برقِ جمال
زندگی صورتِ خورشیدِ درخشاں ہو جائے

کفر و ایماں میں تعلق ہمیں منظور نہیں
کیوں تری زلف ترے رُخ پہ پریشاں ہو جائے

دل تو اشعرؔ نگہِ ناز پہ قربان ہُوا
کاش مجموعۂ ہستی بھی پریشاں ہو جائے

کون وحشت سے ہماری نہ گریزاں نکلا
قیس بھی ہم سے بچائے ہوئے داماں نکلا

میں تو سمجھا تھا کہ تیور ہی بدل جائینگے
دِل ترے تیر کا منّت کشِ احساں نکلا

نوعیّت عشق کی ہر چند جُدا گانہ تھی
قیس و فرہاد کا انجام تو یکساں نکلا

حدِّ امکاں سے بھی کچھ دور سمجھتے تھے جسے
جب کیا غور تو نزدیکِ رگِ جاں نکلا

ایک اِک خار بڑھا لیتے قدم اے اشعرؔ
جانبِ دشت جو میں چاک گریباں نکلا

متفرقات

حاصلِ شربِ مدام آہی گیا ساقیٔ بادہ بجام آہی گیا
اب خبر اپنی، نہ راہِ شوق کی آخر ایسا بھی مقام آہی گیا

آخرش دردِ محبت نے جگر دیکھ لیا اب خدا خیر کرے، ہوتے گھر دیکھ لیا

جنھیں خود اپنی حقیقت سے آگہی نہ ہوئی وہ کس نظر سے تمھیں بے حجاب دیکھیں گے؟

تمھاری خوش خرامی کا تصور کرکے دیکھیں گے
تماشے دل ہی دل میں فتنۂ محشر کے دیکھیں گے
اگر مل جائیں ان کی چشم میگوں کے کہیں افسوں
تو دنیا میں ذرا ہم بھی خدائی کرکے دیکھیں گے

حجابِ عشق ہے نوائے حیات میرے لئے   وہ اور ہوں گے جنہیں تیری آرزو ہوگی

مرے دل سے کوئی نظّارہ کی لذت پوچھے   تری آنکھیں بھی نہیں جانتیں، دیکھا کیا ہے؟

میں سیہ بخت کہاں اور کہاں عکسِ جمال؟   اک توجّہ نے تمہاری ہمہ تن نور کیا
جب کوئی آپ کو چھپنے کا بہانہ، نہ ملا   بیخودی پر دلِ بیتاب کو مجبور کیا "

دائرۃ الادب، محلہ رودگران، دہلی

اور

منزل بک ڈپو، پی بکس ۳، بلّی ماران، دہلی

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی